جائے۔ ہماری رائے میں لوگوں کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لئے بالخصوص پاکستان کے معروضی حالات میں جہاں چار گواہ فراہم کرنا کوئی دشوار کام نہیں، امام مالک اور امام شافعی کی رائے پر عمل کرتے ہوئے، جب یہ ثابت ہو جائے کہ گواہ نا قابل اعتبار ہیں تو ان پر حد قذف جاری کر دی جائے تا کہ لوگ بے گناہ افراد کی عزتوں پر دھبہ لگانے سے باز رہیں۔

۴۔ قذف میں گواہی کی قبولیت کے لیے دین، عقیدے یا جنس کی قید لگانا کتاب وسنت کے مطابق درست نہیں ہے، بلکہ اس کا دارومدار عدالت کے اعتماد اور عدم اعتماد پر ہے، اس لیے دفعے کو حذف کر کے یہ امر عدالت پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ کس کی گواہی قبول کرتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حد قذف آرڈیننس کی دفعہ ۱ تا ۸، تمام دفعات کتاب اللہ اور سنت کے خلاف ہیں، اس لیے ان کو تبدیل کر دیا جائے۔　(کتاب حدود آرڈیننس سے ماخوذ)

حواشی و تعلیقات

۱۔ ملاحظہ ہو سورۃ النساء ۴: ۳۴، سورۃ النور ۲۴: ۴
۲۔ وھبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ص ۵۳۱۰
۳۔ ایضاً
۴۔ ایضاً
۵۔ حدود آرڈیننس، حد قذف
۶۔ عبدالقادر عودہ، التشریع الجنائی الاسلامی، ۲: ۴۵۵؛ الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷: ۵۳۹۵
۷۔ القرآن، النور ۲۴: ۴
۸۔ ایضاً ۲۴: ۱۹
۹۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر ۱۰
۱۰۔ ابن ماجہ، حدیث نمبر ۲۵۴۳
۱۱۔ ابوداؤد، حدیث نمبر ۴۳۷۷
۱۲۔ بخاری، حدیث نمبر ۲۶۱۷؛ ابوداؤد ۳۵۴۲، ۳۵۴۶
۱۳۔ القرآن، النور ۲۴: ۴
۱۴۔ وھبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۶: ۲۶۵
۱۵۔ القرآن، البقرہ ۲: ۲۸۲
۱۶۔ ایضاً، الطلاق ۶۵: ۲
۱۷۔ ایضاً، المائدہ ۵: ۱۰۶
۱۸۔ ایضاً، آل عمران ۳: ۷۵
۱۹۔ ایضاً، النساء ۴: ۱۳۵
۲۰۔ ایضاً، المائدہ ۵: ۸
۲۱۔ ایضاً، الحجرات ۴۹: ۶
۲۲۔ ابن القیم، الطرق الحکمیہ، ۱۵۶ ـ ۱۵۷
۲۳۔ F.S.C P.L.D1989.128
۲۴۔ القرآن، الاسراء ۱۷: ۳۳

قانون اسلامی کی خصوصیت اور ابدیت

ڈاکٹر تاج محمد
وائٹ ہاؤس گرامر اسکول، گلشن اقبال، کراچی

قانون اُن ضابطوں اور اُصولوں کو کہا جاتا ہے جن کے ذریعے معاشرے کے افراد کو نظم وضبط قائم کرنے اور با اُصول زندگی گزارنے کا پابند کیا جاتا ہے تا کہ انسان اپنی زندگی کو ان قوانین کے سانچے میں ڈھال کر دین و دنیا میں سرخرو ہو سکے، ان میں کچھ قوانین الہامی ہدایات کی روشنی میں وضع کیے جاتے ہیں اور کچھ لوگوں کے معاشرتی رسم و رواج کے زیر اثر بنتے اور ختم ہوتے ہیں۔ اسلامی قوانین کا استنباط قرآن و حدیث کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ کی تعلیمات کامل اور مکمل ہیں ان میں ہر دور کی ضرورتوں کو پورا کرنے اور قانون سازی کرنے کی صلاحیت موجود ہے قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ قانون نہیں ہیں بلکہ مصادر قانون ہیں ان کی حیثیت اسلامی قانون یا شریعت کے لئے دستور اور اساسی اُصول کی ہے کہ ان کی تعلیمات کے دائرے میں رہتے ہوئے بدلتے حالات یا زمانے میں معاشرتی ضرورتوں کے پیش نظر قانون سازی کرتے ہوئے مجاز اتھارٹی لوگوں کے مسائل شریعت کی روشنی میں حل کرے۔ معاشرہ خود اپنی ضرورتوں کے مطابق قانون تشکیل کرتا ہے۔ اس حیثیت سے جو خوبیاں اور خصوصیات اسلامی قانون میں ہیں وہ کسی اور قانون میں نہیں کیونکہ ان قوانین کیلئے رہنمائی ہمیں قرآن کریم سے ملتی ہے جو اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ اس بات کو بہتر جانتا ہے کہ کس دور میں انسان کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے، اس کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ بے شمار مسائل ایسے تھے جو صدر اوّل میں نہیں تھے لیکن جب وہ مسائل سامنے آئے تو اُن کا حل پہلے سے قرآن وسنت میں موجود تھا، اس طرح پہلے بھی ہوا اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا ہی رہے گا۔ اصل میں انسان کی عملی زندگی میں شریعت الہیہ

ایک ماہر طبیب کی طرح ہے جو نبض کی حرکت مریض کی حرارت و برودت، مرض اور مزاج کی کیفیت و نوعیت دیکھ کر دوا اور غذا تجویز کرتا ہے تاکہ دواؤں اور غذاؤں کے ذریعہ طبیعت میں اعتدال و توازن پیدا کیا جا سکے۔ جیسا کہ علامہ شاطبی تحریر کرتے ہیں کہ:۔

> فعل الطبيب الرفيق يحمل المريض على ما فيه صلاحه بحسب حاله وعادته وقوة مرضه وضعفه، حتى اذا استقلت صحته هيأ له طريقا فى التدبير وسطا لائقا له فى جميع احواله۔ (۱)

> ترجمہ:۔ شریعت الٰہی کا کردار ایک ایسے ماہر و شفیق طبیب کی طرح ہے جو مریض کی حالت و عادات، مرض کی قوت اور ضعف کے تقاضوں کے مطابق مریض کو مرض کی اصلاح کے لیے آمادہ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب مریض کی صحت مستقل (تندرست) ہو جاتی ہے تو اس کے لیے ایک ایسا معتدل لائحہ عمل تجویز کرتا ہے جو اس کی عام حالتوں کے مطابق اور مناسب ہوتا ہے۔

اسلام میں قانون کے دین کا جزء ہونے اور تمام اجزائے اسلام کا باہمی ربط اور نسق کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی قانون نہ صرف آفاقی الہامی اقدار پر مشتمل دینی تقدس و احترام کا حامل ہے بلکہ یہ اسلام کے تمام تہذیبی و روحانی مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ اور دین فطرت کے جملہ خصائص اور اوصاف کا جامع بھی ہے۔ جس میں بے شمار خصوصیات ہیں، ان میں سے چند خصوصیات یہ ہیں:

اسلامی قانون کا سرچشمہ وحی الٰہی

اسلامی قانون کا سرچشمہ اور منبع ذات باری تعالیٰ ہے اس لیے وحی خواہ متلو ہو یا غیر متلو احکام شریعت کا اساسی مصدر، تنظیم زیست کے جملہ وسائل و اقدار کا اولین ماخذ اور تمام اعمال و اشیاء کی مشروعیت کا معیار ہے۔ اس طرح انفرادی اور اجتماعی زندگی کے جملہ مظاہر و آثار اور تمام عمرانی، سیاسی، قانونی اور انتظامی احوال کی مشروعیت پر ایک مقدس دینی اور روحانی رنگ چھا جاتا ہے۔ جو ایمانی تقاضوں کی تکمیل، احکام الٰہیہ کے نفاذ اور مصالح اجتماعیہ کی تحصیل کی فکری و عملی جد و جہد میں وحدت کا ضامن ہے۔

قرآن و حدیث کے الہامی سرچشمہ ہونے کے باعث اسلامی قانون ایک طرف تو تمام مبادی مقاصد و احکام کے لحاظ سے زمانی و مکانی قیود سے ماوراء ایک عالمگیر اور دائمی قانون ہے، جس نے پوری انسانیت کو مخاطب کیا اور اس کی حجیت تا قیامت رہے گی، تو دوسری طرف یہ ایک ایسا جامع، مکمل اور ہمہ

گیر ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے انفرادی و اجتماعی شعبوں اور دنیوی و اخروی زاویوں کو یکساں محیط ہے۔ اور بقول ڈاکٹر عمر سلیمان کے:

> من الادلة على سعة الشريعة عنايتها باصلاح روح العبد وعقله وفكره وقوله وعمله، وعنايتها بالفرد والاسرة والمجتمع، وقد وضعت نظامها اجتماعيا وسياسيا واقتصاديا، وشرعت قيام الدولة الاسلامية وحددت معالمها، ورسمت العلاقة بين الحاكم والمحكوم، وعلاقة الامة الاسلامية بغيرها فى حالتى السلم والحرب واذ كانت الشرائع الوضعية تزعم انها تعنى بحياة الانسان الدنيوية، فان الشريعة الاسلامية وحدها التى تصل الدنيا بالآخرة، وترسم طريق السعادة الابدية، وتصل الانسان بخالقه ومعبوده، ولا يمكن ان تطلع الشرائع الارضية الى هذا الافق السامى فهى محكومة بعالم الدنيا، والعالم الذى حصرت نفسها فيه لاتستطيع ان تصلحه۔ (۲)

> ترجمہ:۔ اللہ نے جو شریعت عطا فرمائی ہے اس کے اندر بڑی وسعت پائی جاتی ہے، اس میں انسان کے عقل و فکر، روح اور قول و فعل کی اصلاح کی رعایت کی گئی ہے۔ یہ شریعت انسان کی فردی خاندانی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک کی رعایت کرتی ہے۔ اسلام نے ایک خاص اجتماعی، سیاسی اور اقتصادی نظام تشکیل دیا اور اس میں اسلامی ریاست کے قیام، اس کے مصالح اور حاکم و محکوم کے درمیان تعلق کی مناسبت پیدا کر دی ہے، خواہ حالات جنگ ہو یا امن، قانون وضعی انسان کو دین سے الگ کر دیتا ہے لیکن شریعت اسلامی انسان کی دنیا و آخرت سنوارنے کا ایک دائمی قانون ہے، اس میں سعادت ابدی و سرمدی ہے۔ اور یہی راستہ انسان کو اپنے خالق و معبود تک پہنچاتا ہے، جب کہ ایسی کوئی خصوصیت اہل زمین کے بنائے ہوئے کسی بھی قانون میں نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے دنیا کے دائرے میں اپنے نفس کو محصور کر لیا ہے اور جہاں حصر ہو وہاں وسعت نہیں ہوتی۔

اسلامی قانون انسانی فطرت کے عین مطابق

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو ایک خاص فطرت پر پیدا فرمایا ہے جو اسکی ذات میں ودیعت فرمادی گئی ہے- یعنی قوائے عقلیہ، شہویہ اور غضبیہ وغیرہ- قرآن مجید میں فطرت انسانی کے جذبات واحساسات کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ﴿لہ قانون﴾ (۳) یعنی احساس عبدیت ﴿بل الانسان علی نفسہ بصیرہ﴾ (۴) یعنی نفس بصیرت، ﴿فالھمھا فجورھا وتقوھا﴾ (۵) یعنی فجور وتقوی میں امتیاز کرنے کا مادہ-

اس کے علاوہ انسان میں ہر قسم کی مادی اور روحانی کمالات کے حصول کی استعداد بھی موجود ہے- قرآن کریم میں ایک جگہ فطرت انسانی کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

فاقم وجھک للدین حنیفا، فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا-(۶)

ترجمہ:- اپنے آپ کو دین حنیف (فطرت) سے وابستہ کرلو- یہ فطرت اللہ کی ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا-

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

ما من مولود الا یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ-(۷)

ترجمہ:- ہر نومولود دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں-

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل وادراک بخش کر اشرف المخلوقات بنایا اور اسکی فطرت میں یہ خاصیت رکھ دی کہ اپنے خالق کو پہچانے اور اس کی عبادت کی طرف مائل ہو، نیز اس کو ارتفاقات ضروریہ کا علم جبلی طور پر عطا فرمایا جس پر اس کی زندگی بسر کرنے کا نظام قائم ہے- (۸) ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ اسی کا نام فطرت ہے جس پر انسان پیدا ہوا ہے- اور اس کے مطابق انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں کی صورت گری ہی بقاء وارتقاء حیات کی ضامن ہے- چنانچہ تمدن کے دیگر تمام شعبوں کی طرح قانونی نظام کی درستی، افادیت اور بقاء کا انحصار بھی

مقتضیات فطرت سے مطابقت پذیری پر ہے- اور جس طرح یہ امر مبنی بر حقیقت ہے کہ انسان کو قانون شریعت کا مکلف بنایا اور اپنے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا اور یہ اس کی فطرت اور صورت نوعیہ کا تقاضا ہے-(۹)

اس سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اسلامی قانون اپنے مقاصد ومصادر اور تمام کلی اور جزئی احکام میں فطرت انسانی سے ہم آہنگ ہے- کسی چیز کی حلت وحرمت، اباحت وندب کے متعلق کوئی اساسی حکم ایسا نہیں جو انسانی فطرت سے متصادم ہو یا کسی ایجابی وسلبی قاعدے کی بنیاد فطرت انسانی پر استوار نہ ہوتی ہو- اسلامی قانون میں کسی شئے کی حلت وحرمت اور اباحت نیز اعمال کے حسن وقبح کا پیمانہ ومعیار فطرت انسانی ہے- مثلاً سڑا گلا مردار کا گوشت کھانے کے لئے فطرت انسانی کسی صورت میں تیار نہیں- طبیعت کو دیکھنا تک بھی گوارا نہیں- چنانچہ اس فطرتی معیار کی وجہ سے مردار کا گوشت کھانے کی حرمت آئی ہے- اسی طرح تمام قوانین شرعیہ پر غور وفکر کرنے کے بعد یہی معیار سامنے آتا ہے- چنانچہ تکریمی احکام کے اصول میں دنیا کے ساری قوموں کی نفسیات اور طبعی میلان کی رعایت کی گئی ہے-(۱۰)

تمام انسانوں کے حالات ایک جیسے نہیں ہوتے اور یہ ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں لہذا بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ان کی رہنمائی کرنا یہ صرف قانون فطرت کی ہی خوبی ہے دوسرے کسی دین وقانون میں نہیں- بالفاظ دیگر جہاں انسانی زندگی میں تغیر وتبدل پایا جاتا ہے وہاں اسلامی قانون اس کی رہنمائی فرماتا ہے اور حالات وواقعات کے مطابق اس میں لچک وزمی پائی جاتی ہے کیونکہ انسان مختلف مراحل سے گزرتا ہے ایک عمر بچپن کی ہوتی ہے دوسری جوانی اور تیسری بڑھاپا- لہذا ہر دور کا لحاظ اسلامی قانون فطرت میں کیا گیا ہے، سب کو ایک ہی لاٹھی سے نہیں ہانکا گیا-

اسلامی قانون کی غرض وغایت

اسلامی قانون کی غرض وغایت انسانوں کی فلاح وبہبود اور ایک صالح معاشرے کی تشکیل ہے جہاں تمام انسان اسلامی قوانین پر عمل کرتے ہوئے بقائے باہمی کے اصولوں پر کاربند رہیں اور جس سے انسان کی دنیا وآخرت سنور جائے- مصالح انسانیت کا اہتمام کرنا اور مضرات ومفاسد سے بچانا شریعت کا بنیادی مقصد ہے-

چنانچہ علامہ ابن قیم شریعت کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ان الشریعۃ مبناھا واساسھا علی الحکم ومصالح العباد فی المعاش والمعاد-(۱۱)

ترجمہ:-شریعت اسلامیہ کی بنیاد و اساس، اور حکمت انسانوں کی دنیا و آخرت کے مصالح پر مبنی ہے-

الغاية التي تريد الشريعة الاسلامية تحقيقها هي اقامة العباد وعلى منهج العبودية الصادقة لله، وهذه العبودية الصادقة تؤسس نظام الحياة الانسانية على المعروفات وتطهره من المنكرات، والمعروف هو الخير الذي يناسب الفطرة التي فطر الله عباده عليها، والمنكر هو الباطل الذي يصادم فطره الله التي فطر الناس عليها-(۱۲)

ترجمہ:-یہ شریعت اسلامیہ کی عنایت ہے کہ اس نے انسان کو اس نہج پر تیار کیا ہے جہاں اس کی عبودیت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی صادق آتی ہے-اور یہ حقیقت اس وقت صادق آتی ہے جب انسانی نظام حیات کی بنیاد معروفات پر قائم ہو اور منکرات سے بالکل پاک وصاف ہو اور معروفات سے مراد وہ خیر ہے جو اس فطرت کے مناسب ہو جس فطرت پر اللہ نے اپنے بندے کو پیدا کیا ہے-اور منکر سے مراد وہ باطل ہے جو فطرت انسانی سے متصادم ہو جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے-

مصالح سے متعلق علامہ شاطبی فرماتے ہیں:

المصالح المجتلبة شرعا والمفاسد المستدفعة انما تعتبر من حيث اقام الحنيوة الدنيا للحياة الاخرى، لا من حيث اهواء النفوس في جلب المصالح العادية او درء مفاسدها العادية-(۱۳)

ترجمہ:-شریعت میں جلب مصالح اور درء المفاسد کا اعتبار حیات دنیوی کو فلاح آخرت کی خاطر بسر کرنے کی بناء پر ہے نہ کہ خواہشات نفس کے زیر اثر عمومی مصالح کے حصول اور مفاسد کے دفعیہ پر-

اس سے یہ ثابت ہوا کہ مصالح وہ ہیں جن کی شریعت نے رعایت کی ہے وہ مصالح نہیں جو انسانی خواہشات اور ہوائے نفس کے ایجاد کردہ ہوں، بلکہ ایسے مصالح مراد ہیں جن کے مطابق زندگی گزارنے کے بعد فلاح آخرت ممکن ہو سکے، کیونکہ حقیقی فلاح تو آخرت ہی کی ہے-

اور دنیا کا یہ تمام معاملہ اور انسان کی دوڑ دھوپ اخروی نجات اور فلاح کی خاطر ہے-اسلامی قانون کا بنیادی مقصد، دین، نفس، نسل، عقل اور مال کی حفاظت ہے جس کے بغیر انسانی زندگی کا قیام اور سعادت اخروی کا حصول ناممکن ہے-اسلامی شریعت کے تمام احکامات خواہ وہ عبادات سے متعلق ہوں اعمال سے ہوں یا اعتقادات سے، مصالح ضروریہ کی ایجابی وسلبی کیفیت کی حفاظت اور تقویت کے لیے وضع کیے گئے ہیں، ان مصالح ضروریہ کی حفاظت اور تقویت اور اس میں سہولت اور آسانی پیدا کرنا اور رفع الحرج اور مشقت والے امور کو حاجیات کہتے ہیں-اور ان دونوں مراتب کی تکمیل تحسینیات سے ہوتی ہے-جو درحقیقت محاسن عادات سے آراستہ اور مروت عدل کے منافی عادات سے اجتناب کا نام ہے-

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:-

والتحقيق ان الشريعة التي بعث الله بها محمدا صلى الله عليه وسلم جامعة المصالح الدنيا والآخرة وهذا الاشياء ما خالف الشريعة منها فهو باطل وما وافقها منها فهو حق-(۱۴)

ترجمہ:-اور تحقیق یہ ہے کہ جس شریعت کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے وہ دنیا و آخرت کے مصالح کے لیے جامع ہے اور وہ اشیاء جو شریعت کے خلاف ہوں وہ باطل ہیں اور جو شریعت کے موافق ہوں وہ حق ہیں-

اس گفتگو سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اسلامی قانون کے مقاصد وغرض وغایت کے دو رخ ہیں ایک دینی اور دوسرا عمرانی، دینی مقاصد کا تعلق حقوق اللہ کی تکمیل، رشتہ عبودیت کے استحکام اور حیات اخروی کی فلاح سے ہے-اور دوسرا عمرانی رخ معاشرتی تنظیم، تہذیب وتمدن کے قیام اور اس کے استحکام اور حیات دنیوی کی تعمیر واصلاح سے متعلق ہے-استاد علال الفاسی نے شریعت اسلامیہ کا تجزیہ ان الفاظ میں کیا ہے:

والمقصد العام للشريعة الاسلامية هو امارة الارض وحفظ نظام المعاش فيها واستمرار صلاحها بصلاح المستخلفين فيها وقيامهم، بما كلفوا به من عدل واستقامة ومن صلاح في العقل وفي العمل واصلاح في الارض واستنباط لخيراتها وتدابير لمنافع الجميع-(۱۵)

ترجمہ:-شریعت اسلامیہ کا عمومی مقصد امارت ارضی، حفظ نظام معاشرت اور

استراری صالحیت زیست ہے، جو اس دنیا میں کارِ خلافت کے حامل انسان کی
ذمہ داری ہے- چنانچہ انسان پر از روئے خلافت سونپے گئے ان فرائض کی
باحسن وجوہ انجام دہی لازم ہے، جو قیام عدل واستقامت، صلاح فکر وعمل،
استثمار خزائن ارض اور حصول منافع عمومی کی تدبیر سے متعلق ہیں-

پابندی استطاعت کے مطابق

اسلامی قانون کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے انسان کو ایسا پابند نہیں کیا جس کی وہ استطاعت نہ رکھتا ہو، بلکہ انسان کے فطری ضعف اور کم ہمتی وکم مائیگی کو سامنے رکھتے ہوئے ان احکام کا پابند کیا ہے جن کو وہ سہولت کے ساتھ ادا کر سکتا ہے-

انسانی ضعف کی طرف قرآن مجید نے اس طرح اشارہ فرمایا ہے:

یرید اللہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفا-(۱۶)

ترجمہ:-اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے (اس بوجھ کو) ہلکا کر دیا جائے (کیونکہ)
انسان ضعیف (کمزور) پیدا کیا گیا ہے-

ایک اور مقام پر انسان کی کم ہمتی کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے-

ان الانسان خلق ھلوعا-(۱۷)

ترجمہ:-انسان کم ہمت پیدا کیا گیا ہے-

انسان طبعی طور پر ان کاموں کی طرف جلد مائل ہو جاتا ہے جن میں آسانی، نرمی اور سہولت نظر آئے، جب کہ تنگی اور زیادہ مشقت وشدت کے کاموں سے گریز کرتا ہے- الا یہ کہ مشق مجاہدہ اور ریاضت سے نفس کو مشقت کا خوگر بنا دیا جائے- اسی لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

احب الدین الی اللہ الحنفیۃ السمحۃ(۱۸)

ترجمہ:-اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور آسان ترین دین، دین حنیف ہے-

اور قرآن مجید میں بھی اسی آسانی ویسر کا اعلان فرمایا گیا ہے:

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر-(۱۹)

ترجمہ:-اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تمہیں مشکل میں ڈالنا
نہیں چاہتا-

اسی طرح ایک اور آیت میں یہ ارشاد فرمایا:

ربنا ولاتحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا
ولاتحملنا مالا طاقۃ لنا بہ-(۲۰)

ترجمہ:-اے ہمارے پروردگار ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا کہ تو نے ہم سے
پہلے لوگوں پر رکھا تھا، اے ہمارے رب! اور ہم پر بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں
طاقت نہ ہو-

اسی آسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ابتدائے اسلام میں "اصول تدریج" کے تحت احکامات نازل فرمائے تا کہ ایک ساتھ مشقت میں ڈالنے سے متنفر نہ ہو جائیں- مثلاً جب لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے متعلق دریافت کیا کہ اس کی کیا حیثیت ہے؟ تو چونکہ وہ لوگ شراب کے عادی تھے اور شراب ان کے لیے بے حد محبوب شے تھی اس لیے قرآن مجید نے صرف یہ جواب دیا:

قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما-(۲۱)

ترجمہ:-فرما دیجیے کہ اس (شراب) میں گناہ کبیرہ ہے اور (تھوڑا بہت) لوگوں
کے لئے منافع کا سامان بھی- (تاہم) نفع کے مقابلے میں گناہ کا پہلو زیادہ
بھاری ہے-

اس آیت میں فوری طور پر منع نہیں فرمایا گیا بلکہ ان کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی کہ شراب کا استعمال گناہ کبیرہ ہے اور قلیل فائدے کی بھی نشاندہی کر دی- اس کے بعد دوسری آیت میں یہ حکم نازل ہوا-

یا ایھا الذین آمنوا لاتقربوا الصلوۃ وانتم سکری حتی تعلموا
ماتقولون-(۲۲)

ترجمہ:-اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ، یہاں
تک کہ جو کچھ تم کہتے ہو اسکا علم بھی تمہیں ہو-

اس آیت میں اس بات کا پابند فرما دیا کہ نشے کی حالت میں نماز نہیں ہو سکتی، اس حکم سے لامحالہ شراب نوشی میں کمی واقع ہو گئی، اور آخر میں سورہ مائدہ کی وہ آیت نازل ہوئی جس میں جوئے اور شراب کی حرمت بیان فرمائی گئی ہے، ارشاد خداوندی ہے:

یا ایھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام
رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون-(۲۳)

ترجمہ:-اے ایمان والو! شراب، جوا، پوجا کے بت اور جوئے کے تیر نری
گندگی ہیں، شیطانی عمل (کا نتیجہ) ہیں پس اس گندگی سے بچو تا کہ تم کامیاب
ہو جاؤ۔

چنانچہ اس تدریج سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آتی ہے کہ شریعت نے احکام میں کس قدر رعایت رکھی ہے۔

اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس اتنا سرمایہ یا زادِ راہ نہ ہو کہ وہ حج کے اخراجات برداشت کر سکے تو اسلام نے اس کو اس بات کا پابند نہیں کیا کہ وہ کسی سے قرض لے کر یا پاپیادہ چل کر راستے کی صعوبتوں کو برداشت کر کے حج کرے، بلکہ جب تک زادِ راہ میسر نہیں تو حج کی فرضیت بھی ساقط ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو پھر انسان تکلیف مالا یطاق کا شکار ہو جائے گا۔ ہاں اگر کوئی شخص از روئے محبت وعقیدت کے پیدل چل کر حج کی سعادت حاصل کرتا ہے تو یہ اس کا اختیاری عمل ہے۔ مختصر یہ کہ پوری شریعت میں ایسا کوئی حکم نہیں جو انسان کی استطاعت سے زائد ہو، جس میں انسان پر جبر کیا گیا ہو۔

رفع حرج ومضرت

حرج کے معنی تنگی کے ہیں اور رفع حرج کا مطلب اس تنگی کو اٹھا لینا اور اس کی جگہ آسانی، وسعت اور کشادگی پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ شریعت نے دیگر مراعات کے ساتھ ساتھ انسانوں کو اس بات کی بھی اجازت دی کہ جب کبھی کسی امر میں تنگی پائی جائے تو اس کے لیے آسانی کا راستہ نکالا جائے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید نے جو اصول بیان فرمایا ہے اس سے شریعت کا مزاج نکھر کر سامنے آتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

ما جعل علیکم فی الدین من حرج-(۲۴)

ترجمہ:-اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملے میں تمہارے لیے کوئی تنگی نہیں رکھی۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج-(۲۵)

ترجمہ:-اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ تمہیں کسی حرج میں ڈال دے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ اصول بیان فرمایا ہے:

یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا-(۲۶)

ترجمہ:-آسانی کرنا، مشکل میں نہ ڈالنا، اور رغبت دلانا اور نفرت نہ ابھارنا۔

چنانچہ انہی ارشادات کی روشنی میں جو اصولی قواعد وضع کیے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

۱- المشقة تجلب التیسر- ترجمہ:-یعنی مشقت آسانی لاتی ہے۔

۲-الامر اذا ضاق اتسع -ترجمہ:-جب کسی جگہ کا دائرہ تنگ ہو جائے تو اس میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔

۳-الضرورة تبیح المحظورات -(۲۷) ترجمہ:-ضرورت ممنوعات کو مباح کر دیتی ہے۔

بنیادی اصولوں سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اسلامی قانون اپنے مقاصد، مبادی اور احکام کی تطبیقات اور دیگر فنون میں آسانی، دفع حرج اور ضرر وتکلیف سے دور رکھنے والے اوصاف کا حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے کہیں انسان پر اضطراری کیفیت طاری کی ہے تو وہاں استثنائی ورخصتی احکامات بھی ضرور مرحمت فرمائے ہیں جو اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ بعض شرعی مجبوریوں کی بناء پر اگر اصل حکم کی پابندی دشوار ہو اور اس کے قائم مقام ایسا حکم موجود ہو جو اپنے اصل سے تعلق کو تازہ کرتا ہو اور انسان کے اندر اطاعت برقرار رکھنے کا ذریعہ بھی باقی ہو۔ تو اس سہل حکم پر عمل کرنے کی اجازت ہے۔

مسواک کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لولا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواك عند كل
صلوة-(۲۸)

ترجمہ:-اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میری امت مشقت میں پڑ جائے گی تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ اسلام معمولی سی تکلیف میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

ڈاکٹر عمر سلیمان لکھتے ہیں:

اما الشریعة الاسلامیة فقد نزلت من عند اللہ تسع حیاة الانسان عن کل اطرافها وحیاة المجتمع الانسان لکل ابعادها فلاتضیق بالحیاة ولاتضیق الحیاة بها-(۲۹)

ترجمہ:- شریعت اسلامیہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ قانون ہے اس میں تمام اطراف سے انسان کے لئے وسعت پیدا فرما دی گئی ہے اور حیاۃ انسانی خواہ اجتماعی ہو یا انفرادی، نہ تو شریعت حیات میں تنگی پیدا کرتی ہے اور نہ ہی حیات

Seminar Library
Department of Islamic History
University of Karachi

انسانی اس سے کسی تنگی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

تقلیل تکلیف:

یہ عدم حرج کا لازمی نتیجہ ہے کیونکہ زیادہ تکلیف میں زیادہ حرج اور مشقت ہے جیسا کہ اس سے قبل یہ بیان کیا گیا ہے کہ انسان طبعی طور پر سہل پسند ہے اور اس کی رغبت انہیں امور کی طرف زیادہ ہوتی ہے جن میں زیادہ سے زیادہ سہولت ہو، اور تکلیف کم سے کم ہو۔ چنانچہ اسلام نے اس فطری میلان کی رعایت کرتے ہوئے استطاعت و تکلیف کا اصول وضع کیا اور استطاعت سے بالاتر اور زیادہ مشقت والے امور کا پابند نہیں کیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔(۳۰)

ترجمہ:۔اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی استطاعت سے زیادہ کا مکلف نہیں فرماتا۔

گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بالکل واضح اعلان فرمایا کہ انسان کو تکلیف مالا یطاق کا پابند نہیں بنایا، یہ شریعت کا ایک عمومی اصول ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:۔

ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق مما اتاہ اللہ لایکلف اللہ نفسا الا ما اتاھا۔(۳۱)

ترجمہ:۔جس کا رزق تنگ ہو وہ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے اپنے اہل وعیال پر حسب استطاعت ہی خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ توفیق سے زیادہ کا پابند نہیں کرتا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک فرد کی استطاعت کے مطابق اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اور اس چیز کا پابند نہیں فرمایا جو اسکے پاس نہیں۔ اسی طرح حج کی فرضیت کو بھی استطاعت سے مشروط کر دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا۔(۳۲)

ترجمہ:۔ان لوگوں پر اللہ کے لیے حج فرض ہے جو اس کی استطاعت رکھتے ہوں۔

اسی طرح جہاد کے سلسلے میں فرمایا:

لیس علی الضعفا، ولا علی المرضی ولا علی الذین لایجدون ما ینفقون حرج اذا نصحوا للہ ورسولہ۔(۳۳)

ترجمہ:۔ضعیف، مریض اور مالی استطاعت نہ رکھنے والوں پر جہاد کے سلسلے میں کوئی تنگی نہیں بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور اخلاص رکھتے ہیں۔

حرام چیزوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے انسانی استطاعت سے وابستہ فرمایا ہے:

قد فصل لکم ما حرم علیکم الا ما اضطررتم الیہ۔(۳۴)

ترجمہ:۔اللہ تعالیٰ نے محرمات کی تفصیل بیان فرما دی ہے لیکن اگر تم اضطراری حالت سے گزر رہے ہو تو پھر تم پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔

اسی طرح خطا و نسیان جن پر انسان کی قدرت نہیں انہیں قابل معافی قرار دیا ہے۔

لیس علیکم جناح فیما اخطاتم بہ۔(۳۵)

ترجمہ:۔خطا (نسیان) کی صورت میں تم پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

فاذا امرتکم بشیئی فخذوا منہ ماستطعتم واذا نھیتکم من شیئی فانتھوا۔(۳۶)

ترجمہ:۔اگر میں تمہیں کسی چیز سے منع کروں تو اس سے باز رہا کرو اور جس کام کا حکم دوں تو اسے حسب استطاعت بجالایا کرو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:۔

فاکلفوا من الاعمال ما تطیقون۔(۳۷)

ترجمہ:۔طاقت و استطاعت کے موجب اعمال کا مکلف کیا ہے۔

انہیں نصوص کو سامنے رکھتے ہوئے علامہ شاطبی لکھتے ہیں:

ثبت فی الاصول ان شرط التکلیف او سببہ القدرۃ علی المکلف بہ، فیما لاقدرۃ للمکلف علیہ لایصح التکلیف بہ شرعا وان جاز عقلا۔(۳۸)

ترجمہ:۔یہ بات اصول میں ثابت شدہ ہے کہ انسان کو مکلف بنانے کا سبب یا شرط اس کا فعل مامور بہ کی ادائیگی پر قادر ہونا ہے، جس عمل میں بندہ قدرت نہ رکھتا ہو شرعاً اس کا مکلف نہیں اگرچہ عقلاً جائز ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

قید الشارع الامور بالقدرة والاستطاعة والوسع والطاق-(۳۹)

ترجمہ:-شارع نے تمام امور وافعال کو انسان کی قدرت واستطاعت سے وابستہ کر دیا ہے-

تمام انسانوں کی اندرونی کیفیت، اخلاقی استعداد اور نفسیاتی قوتیں یکساں نہیں ہوتیں بلکہ جملہ نفوس انسانیہ کی جسمانی اور ایمانی استعداد ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے-لہذا ان میں کمزور وضعیف بھی ہیں اور قوی وبلند ہمت بھی، کسی کی طبیعت میں شدت ہے کہیں نرمی، کہیں پختہ ارادہ اور کہیں احتیاط-اس لیے شریعت نے ایک ہی نوعیت اور ایک ہی مراتب کے احکام کا پابند نہیں کیا بلکہ ہر ایک کے دو علیحدہ علیحدہ راستے وضع کر دیے-

علامہ شعرانی لکھتے ہیں:

ان الشريعة المطهرة جاءت من حيث شهود الامر والنهي في كل مسالة ذات اخلاق على مرتبتين، تخفيف وتشديد، لا على مرتبة واحدة، فان جميع المكلفين لايخرجون عن قسمين، قوى وضعيف، من حيث ايمانه اوجسمه في كل عصر وزمان فمن قوى منهم خوطب بالتشديد والاخذ بالعزائم ومن ضعف منهم خوطب بالتخفيف والاخذ بالرخص وكل منها حينئذ على شريعة من ربه وتبيان-(۴۰)

ترجمہ:-شریعت مطہرہ اختلافی نوعیت کے ہر مسئلے میں امر ونہی کے اعتبار سے تخفیف وتشدید کے دو مرتبوں پر نازل ہوئی کیونکہ ہر زمانے کے انسان، ایمانی اور جسمانی اعتبار سے قوی وضعیف کے دو طبقوں میں تقسیم ہوتے ہیں- اہل قوت وہمت شریعت کے مرتبہ تشدید وعزیمت کے مکلف ہیں اور کمزور پست ہمت مرتبہ تخفیف ورخصت کے مخاطب ہیں اور ان دو مراتب کے احکام کے پیرو ہر صورت شریعت الہیہ کے پابند ہوتے ہیں-

یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ فقہاء نے نہ ہر مشقت کو زیر بحث مشقت میں شمار کیا ہے اور نہ تخفیف وسہولت کو اس قدر عام کیا ہے کہ انسان جب چاہے اس میں آسانی کی راہیں نکال لے- بلکہ ہر ایک کے لیے فقہ میں اصول وقیود مقرر ہیں اور ہر ایک چیز کا تعین کر دیا گیا ہے اور حکمت الہیہ کا بھی یہی

تقاضا ہے کہ اس معاملے میں انسان کو آزاد نہ چھوڑا جائے ورنہ دین سہل پسندی اور مرضی کا نام بن جائے- شریعت کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں کی زندگی صاف ستھری گزرے ان میں خیالات وجذبات پر قابو پانے کی صلاحیت ہو اور ذاتی اغراض وعناد اور نفسانی خواہشات کو دبانے کی ہمت وطاقت پیدا ہو-(۴۱)

اگر مطلق مشقت لی جائے تو کھانا پینا سونا جاگنا، چلنا پھرنا تمام کا تمام مشقت ہے اس سے نظام حیات جمود کا شکار ہو جائے گا- علامہ شاطبی لکھتے ہیں:

فاحوال الناس كلها كافة في هذه الدار في اكله وشربه وسائر التصرفات ولكن جعل له قدرة عليها بحيث تكون تلك التصرفات تحت قهره لا ان يكون هو قهرا التصرفات-(۴۲)

ترجمہ:-اس دنیا میں انسان کی تمام حالتیں مشقت سے عبارت ہیں حتی کہ کھانا پینا اور دیگر تمام کام مشقت سے خالی نہیں-مگر اللہ تعالی نے انسان کو ایسی قوت وطاقت عطا کی ہے کہ وہ ان مشقتوں پر حاوی ہیں نہ یہ کہ مشقتیں انسان پر حاوی ہیں-

اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ کون سی مشقتیں ہیں جن میں انسان کو مبتلا نہیں کیا گیا، علامہ شاطبی ہی فرماتے ہیں کہ:

ان كان العمل يودى الدوام عليه الى الانقطاع عنه او عن بعضه والى وقوع خلل في صاحبه في نفسه او ماله او حال من احوال فالمشقة هنا خارجة عن المعتاد وان لم يكن فيها شيئي من ذالك في الغالب فلا بعده في العادة مشقة-(۴۳)

ترجمہ:-اس کام کی نوعیت ایسی ہو کہ اس پر دائمی عمل سے جانی ومالی نقصان ہوتا ہو یا اسے کرنے والے کی حالت میں تغیر واقع ہوتا ہو، جس سے لازمی طور پر کام چھوڑنے یا اس میں تخفیف کرنے پر مجبور ہو جائے-تو اس قسم کی مشقت عادت والی مشقت سے خارج سمجھی جائے گی اور جو ایسی نہ ہو تو وہ عادت سے خارج نہیں کی جائے گی-

اسلامی قانون کی ابدیت:

اسلامی قانون دین فطرت ہے اور قرآن وحدیث اس قانون کے منبع ہونے کے ناطے اپنے

مصادر، مقاصد اور اساسی احکام میں زمان ومکان کی حدود وقیود سے ماوراء ایک آفاقی، دائمی اور آخری قانون ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لاکر ختم کردیا۔

ومقتضى هذا العموم ان تكون هذه الشريعة هي خاتمة الشرائع، فهي ناسخة لما قبلها، ولاتنسخ بشريعة بعدها، اذ ليس بعد كتابها كتاب، ولا بعد نبيها نبي، فقد كمل الدين بالاسلام، وتم البناء برسالة محمد صلى الله عليه وسلم وصدق الله العظيم۔(۴۴)

ترجمہ:۔لہذا یہ حکمت الٰہی کا تقاضا ہے کہ اس شریعت کو خاتم الشرائع قرار دیا جائے اور یہ ماقبل شرائع کی ناسخ ہوجائے جب کہ اس شریعت کو منسوخ کرنے والی کوئی اور شریعت نہیں۔قرآن پاک کے بعد نہ کوئی کتاب ہدایت ہے اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہے۔ دین کو اسلام پر ختم کردیا اور رسالت کو رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اختتام پذیر کردیا۔

اور ایک دائمی قانون عطا کرنے کے بعد فرمایا:

اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا۔(۴۵)

ترجمہ:۔آج کے دن ہم نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کردیا، اور نعمتیں تمام کردیں اور دین اسلام کو تمہارے لئے بحیثیت دین پسند فرمایا۔

جب کوئی نیا دین نہیں تو لامحالہ یہی دین قیامت تک رہے گا۔اور شان خاتمیت کے بارے میں ارشاد فرمایا:۔

ما كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين۔(۴۶)

ترجمہ:۔نہیں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ، اور لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور وہ خاتم النبیین ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت شریعت اسلامیہ کے دائمی ہونے کی واضح دلیل ہے۔

اور رسالت عامہ کے سلسلے میں علامہ ابن قیم لکھتے ہیں کہ:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم هو عام الرسالة الى كل مكلف، فرسالته عامة في كل شيء من الدين اصوله وفروعه ودقيقه وجليله، فكما لايخرج احد عن رسالته فكذلك لايخرج حكم تحتاج اليه الامة عنها وعن بيانه۔(۴۷)

ترجمہ:۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت دائمی اور عالمگیر ہے جس کے دائرے سے کوئی انسان خارج نہیں اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت، عقائد اور اعمال سے متعلق ہر دقیق وجلیل چیز کو شامل ہے اس لیے جس طرح رہتی دنیا تک انسانیت کا ہر فرد احکام شرعیہ کا مخاطب ہے اسی طرح ہر دور میں امت کی ضرورت کے تمام احکامات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں موجود ہیں۔

عبدالقادر عودہ اسلامی قانون کی ہمہ گیریت اور آفاقیت سے متعلق لکھتے ہیں:

الاصل في الشريعة الاسلامية، انها شريعة عالمية لا مكانية، فهي شريعت الكافة، لايختص بها قوم دون قوم ولاجنس دون جنس ولا قارة دون قارة، فهي شريعة العالم كله مخاطب بها المسلم وغير المسلم۔(۴۸)

ترجمہ:۔اصل یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ ایک عالمی شریعت ہے یہ کسی ایک جگہ کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ تمام انسانوں کے لیے شریعت ہے۔ یہ کسی خاص قوم، جنس یا کسی جغرافیائی خطے تک محدود نہیں، یہ کل انسانی دنیا خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم سب اس کے مخاطب اور مکلف ہیں۔

یعنی شریعت اسلامیہ جہاں مکانی اعتبار سے لامحدود ہے وہاں زمانی اعتبار سے بھی ہر قسم کی حد بندیوں سے آزاد ہے، بلکہ یہ ایک دائمی قانون ہے جس کے اصول وضوابط ہر زمانے اور ہر علاقے کے رہنے والوں کی دینی، سیاسی، سماجی، معاشی، انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ضرورتوں میں رہنمائی فراہم کرنے کا حامل ہے، مزید یہ کہ اسلامی قانون لچکدار اور متحرک خصوصیات کا سب سے بڑا مظہر ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ آج کے دور میں جہاں زندگی کے طور طریقے اور رنگ ڈھنگ یکسر بدل

چکے ہیں، اسلامی قانون کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرتے ہوئے امت مسلمہ کو صحیح دینی رہنمائی فراہم کی جائے تا کہ شریعت مطہرہ کے فیوض و برکات سے ہر شخص مستفیض ہو سکے اور دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہو سکے۔

ماخذ و مصادر

۱۔ شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ: الموافقات فی اصول الاحکام: مصر مطبعۃ المدنی ۱۹۶۹ء ص ۱۷۷۔ ج ۲۔

۲۔ عمر سلیمان اشقر، دکتور: خصائص الشریعۃ الاسلام۔ کویت۔ دار الدعاس ۱۹۹۱ء ص ۵۳۔

۳۔ القرآن: البقرہ: ۱۱۶۔

۴۔ القرآن: القیامہ: ۱۴۔

۵۔ القرآن: الشمس: ۸۔

۶۔ القرآن: الروم: ۳۰

۷۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام: الصحیح البخاری: کراچی قدیمی کتب خانہ ۱۹۶۱ء ص ۱۸۱ ج ۱۔

۸۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ (ترجمہ) لاہور تعمیر پریس ۱۹۸۳ء ص ۲۷ ج ۲۔

۹۔ شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ: محولہ بالا ص ۱۹۲ ج ۱۔

۱۰۔ محمد تقی امینی: فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر لاہور، جمیع الاسلامیہ سعودیہ ۱۹۷۶ء ص ۱۱۴۔

۱۱۔ ابن قیم، محمد بن ابی بکر: اعلام الموقعین مصر طباعۃ المنیریہ ۱۳۲۵ء ص ۱ ج ۳۔

۱۲۔ عمر سلیمان اشقر، دکتور: خصائص الشریعۃ الاسلامیہ: محولہ بالا ص ۳۶۔

۱۳۔ شاطبی: ابراہیم بن موسیٰ: الموافقات فی اصول الاحکام محولہ بالا ص ۴۷۔

۱۴۔ ابن تیمیہ: فتاوی ابن تیمیہ: بیروت، دار العربیہ للطباعۃ بلا سن طباعت ص ۳۰۸۔ ج ۱۹۔

۱۵۔ علال الفاسی: مقاصد الشریعۃ ومکارمھا، رباط، دار بیضاء ۱۹۶۳ء

۱۶۔ القرآن: النساء: ۲۸۔

۱۷۔ القرآن: المعارج: ۱۹۔

۱۸۔ بخاری، محمد بن اسماعیل: الصحیح البخاری: محولہ بالا ص ۱۰ ج ۱۔

۱۹۔ القرآن: البقرہ: ۱۸۵۔

۲۰۔ القرآن: البقرہ

۲۱۔ القرآن: البقرہ: ۲۱۹۔

۲۲۔ القرآن: ۳۳۔

۲۳۔ القرآن: المائدہ: ۹۰۔

۲۴۔ القرآن: الحج: ۷۸۔

۲۵۔ القرآن: المائدہ: ۹۰۔

۲۶۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام: الصحیح البخاری: کراچی قدیمی کتب خانہ ۱۹۶۱ء ص ۱۰۲۳۔ ج ۲۔

۲۷۔ سیوطی، عبد الرحمٰن بن ابی بکر: الاشباہ والنظائر: مصر مطبعہ مصطفیٰ محمد ۱۳۵۹ء ص ۷۶، ۲۸۔

۲۸۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ: جامع ترمذی: ملتان، فاروقی کتب خانہ ۱۹۹۱ء۔ ص ۵ ج ۱۔

۲۹۔ عمر سلیمان اشقر، دکتور: خصائص الشریعۃ الاسلامیہ، کویت، مکتبۃ الفلاح۔ ۱۹۸۲ء ص ۵۱۔

۳۰۔ القرآن: البقرہ: ۲۸۶۔

۳۱۔ القرآن: الطلاق: ۷۔

۳۲۔ القرآن: آل عمران: ۹۷۔

۳۳۔ القرآن: التوبہ: ۹۱۔

۳۴۔ القرآن: الانعام: ۱۴۰۔

۳۵۔ القرآن: الاحزاب: ۵۔

۳۶۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید: سنن ابن ماجہ: کراچی، قدیمی کتب خانہ بلا سن طباعت ص ۴۔

۳۷۔ مسلم بن حجاج، امام: الصحیح المسلم: کراچی، قدیمی کتب خانہ ۱۹۵۶ء ص ۳۵۲ ج ۱۔

۳۸۔ شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ: الموافقات فی اصول الاحکام محولہ بالا ص ۹۷ ج ۲۔

۳۹۔ ابن تیمیہ: مجموع فتاوی: بیروت، دار العربیہ للطباعۃ۔ ۱۳۹۸ء ص ۳۹۔ ج ۲۔

۴۰۔ شعرانی، عبد الوہاب: المیزان الکبریٰ: دہلی مطابع اکمل ۱۲۸۶ء۔ ص ۵۔

۴۱۔ محمد تقی امینی: فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر: محولہ بالا ص ۲۸۸۔

۴۲۔ شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ: الموافقات فی اصول الاحکام محولہ بالا ص ۸۷۔ ج ۲۔

۴۳۔ شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ: الموافقات فی اصول الاحکام: محولہ بالا ص ۸۷۔

۴۴۔ یوسف قرضاوی: شریعۃ الاسلامیہ صالحۃ للتطبیق مصر، دار الصحوۃ ۱۳۰۶ء ص ۱۲۔

۴۵۔ القرآن: المائدہ: ۳۔

۴۶۔ القرآن: الاحزاب: ۴۰۔

۴۷۔ ابن القیم، محمد بن ابی بکر: اعلام الموقعین: محولہ بالا ص ۳۵۰۔

۴۸۔ عودہ، عبد القادر: التشریع الجنائی مقارنا بالقانون الوضعی: مصر، دار النشر الثقافۃ ۱۹۲۵ء ص ۲۴۔

تعلیمات نبوی ﷺ اور اصلاحِ معیشت

مریم ناز
رکن مجلس التفسیر

لغت کی زبان میں قصد و اقتصاد 'میانہ روی' اور 'اچھے چلن' کا نام ہے۔ مگر علمی اصطلاح میں ایسے وسائل کی 'دریافت' کو کہتے ہیں جو دولت و ثروت کے پیدا کرنے کے مناسب طریقے، اسکے خرچ کے صحیح استعمال اور اسکی ہلاکت و بربادی کے 'حقیقی اسباب' بتا سکیں۔ اسلئے 'علم الاقتصاد' (معاشیات) اس علم کا نام ہے جو ان وسائل پر بحث کرتا اور انکے صحیح اور غلط ہونے پر مطلع کرتا ہو۔(۱)

انسانی زندگی میں معیشت کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ انسان اپنی بقاءِ زندگی اور فروغ زندگی کیلئے ہمیشہ سے وسائلِ معاش کا محتاج رہا ہے۔ تاریخی طور پر جو بھی وسائلِ حیات کا مرکز رہا ہے وہ طاقت کا سرچشمہ رہا ہے۔ ہر انسان میں یہ فطری جذبہ موجود ہے کہ اُس کو زندگی سے فائدہ اٹھانا چاہیے مگر یہ انفرادی جذبہ جب زندگی کی کشمکش اور وسائلِ حیات کی کشاکش میں ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے تو قانون فطرت جو کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمام کائنات پر حاوی ہے، ہر انسان کو اجتماعی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتا ہے، لیکن یہ حیاتِ اجتماعی کسی نظام کے بغیر تصور نہیں کی جا سکتی۔ دنیا کے تمام قدیم و جدید مفکرین نے معاشی مسئلے کو علمی اور عملی دونوں طریقوں سے حل کرنے کی کوشش کی ہے اور آجتک اس کوشش کا سلسلہ جاری ہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطہء حیات ہے۔ انسانی زندگی میں معاش کی اہمیت کے پیشِ نظر ایسا ممکن ہی نہیں کہ اس سلسلے میں ہمارے دین نے ہمیں ہدایات نہ دی ہوں۔ نبی آخرالزمان ﷺ کی تعلیمات قرآن و حدیث کی صورت میں تمام شعبہ ہائے حیات پر محیط ہیں۔ زندگی کا کوئی بھی پہلو ہو، چاہے

اخلاقیات و معاملات ہوں یا عبادات، سماجی تعلقات و معاشیات ہوں یا سائنس و ٹیکنالوجی کا میدان، غرضیکہ انفرادی و اجتماعی زندگی کا کوئی بھی پہلو ایسا نہیں ہے جسکے بارے میں قرآن و حدیث سے راہنمائی نہ ملتی ہو۔

تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں اصلاحِ معیشت کی ضرورت

موجودہ زمانہ مادیت کی ترقی کا زمانہ ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام نے دنیا کو اپنے شکنجے میں کسا ہوا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ لوگ گویا اپنی چھوٹی چھوٹی خوشیاں ترقی کی خواہش کے عوض گروی رکھ چکے ہیں۔ معاشرے میں معاشی ابتری پھیل چکی ہے کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام کی یہ خاصیت ہے کہ معاشرے میں ارتکازِ زر اور حُبِ زر کی وجہ سے بگاڑ پیدا کر دیتا ہے۔ لوگ واضح طور پر طبقات میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ ایک طرف تو دولت کا یہ عالم ہے کہ لوگ خرچ کرنے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں، انہیں سمجھ نہیں آتا کہ وہ اپنی بے حد و حساب دولت کسطرح خرچ کریں اور وہ نمود و نمائش کے ذریعے معاشرے میں ذہنی ابتری پھیلانے کا باعث بنتے ہیں۔ جبکہ دوسری طرف یہ حال ہے کہ زندگی روز بروز مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہی ہے۔ لوگ تنگ آ کر دولت کمانے کے ناجائز ذرائع اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

لوگ موجودہ نظام سے مایوس ہو چکے ہیں مگر مجبور ہیں کہ انہیں اصلاح کی کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی۔ ایسے میں ہر طرف سے مایوس ہونے کے بعد نگاہ اُس ہستی ﷺ کی طرف اٹھتی ہے جسکی تعلیمات نے عرب کے بدوؤں کو مکّہ کی آغوش سے نکال کر آدھی سے زیادہ دنیا کا مالک بنا دیا اور دنیا یہ رائے دینے پر مجبور ہو گئی کہ ایک عمر اور ہوتا تو دنیا سے کفر کا نام و نشان مٹ جاتا۔ آخر کیا وجہ ہے کہ جب اُس مبارک ہستی ﷺ کی بتائی گئی تعلیمات پر عمل کیا گیا تو خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا؟ لوگ پیسے ہاتھ میں لیکر گھومتے تھے مگر زکوٰۃ لینے والا نہ ملتا تھا۔ کیا اب ایسا نہیں ہو سکتا کہ معیشت کی اصلاح اسطرح ہو سکے کہ عام آدمی بھی اپنی زندگی سکون سے بسر کر سکے؟ اسی سوال کا جواب تلاش کرنے کیلئے ہم تعلیمات نبوی ﷺ کی طرف رجوع کریں گے۔

چونکہ یہاں صرف اصلاحِ معیشت زیرِ بحث ہے اسلئے سرمایہ دارانہ نظام یا سوشلزم وغیرہ کا اسلامی معاشی نظام کے ساتھ موازنہ کرنے کی بجائے اس مقالے میں صرف ایسی آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی ﷺ بیان کی جائینگی جن پر عمل پیرا ہونے کی صورت میں معیشت کی اصلاح ہو سکے اور عام آدمی ایک بہتر زندگی بسر کر سکے۔ لوگ دیکھیں اور غور و انصاف سے پرکھیں کہ اگر ان تعلیماتِ نبوی ﷺ

پر عمل کیا جائے جو ہمارے پاس آیات قرآنی اور احادیث کی صورت میں موجود ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہماری معیشت کی اصلاح نہ ہو سکے؟

حق معیشت میں مساوات اور ’انفاق فی سبیل اللہ‘

اسلام ایک ایسے نظام کا داعی ہے جسکی بنیاد انسانی ضروریات اور انفرادی واجتماعی احتیاجات کی تکمیل پر قائم ہے۔ وہ معاشیات کو دولتمندوں کے درمیان نفع کی دوڑ کا میدان نہیں بنانا چاہتا بلکہ تکمیل ضروریات کیلئے ایک مفید اور نفع بخش ذریعہ بنا کر اسکی افادیت کو عام کرنا چاہتا ہے۔ اس نظام معیشت میں زیادہ سے زیادہ کمانے والے افراد بھی موجود ہوتے ہیں کیونکہ سعی وکسب کے بغیر ارتقاء ممکن نہیں، لیکن جو فرد جتنا زیادہ کمائے گا اُتنا ہی لوگوں کی فلاح کیلئے خرچ بھی کریگا اور جماعت بحیثیت جماعت کے خوشحال ہوتی جائے گی۔ ایسا اسلئے ہے کہ جماعت ایک جسم کی حیثیت رکھتی ہے اور فرد اس جسم کے ایک عضو کی۔

اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی ہے۔
پھر ایسا نہیں ہوتا کہ جن کو زیادہ روزی دی گئی ہے وہ اپنی روزی کو اپنے زیر
دستوں پر لوٹا دیں حالانکہ اس روزی میں وہ سب کے سب برابر کے حقدار ہیں،
پھر کیا یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے صریح منکر نہیں ہو رہے ہیں۔ (۲)

اس آیت میں حق معیشت کی مساوات کا اسقدر صریح وواضح اعلان ہے جسکا انکار ممکن نہیں۔ رزق کی وسعت وتنگی کا دامن بلاشبہ خالق کائنات کے ید قدرت میں ہے لیکن اس کارزار ہستی میں کسی کا فاقہ مستی اور تنگدستی سے مجبور ومقہور رہنا خود اس نظام کا ’ناقابل معافی جرم‘ ہے جس میں وہ آباد ہے۔ اسلامی معاشی نظام قطعاً اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ایک طبقہ کی کمائی دوسرے طبقوں کیلئے محتاجی و مفلسی کا پیغام ہو جائے ،جیسا کہ آجکل ہو رہا ہے۔ دراصل ہم میں سے ہر ایک کی ذمہ داری لگائی گئی ہے کہ ہم اپنے سے کم حیثیت لوگوں اور کمزوروں کی مدد کریں اور معاشرے میں انکو اپنے برابر لانے کیلئے اقدامات کریں۔ فرد چونکہ جماعت کا ایک حصہ ہے اسلئے اس کی انفرادی کمائی پر اجتماعی معیشت کے حقوق بھی عائد ہوتے ہیں اور اسلامی اصطلاح میں اسکا نام ’انفاق فی سبیل اللہ‘ ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس شخص
کے پاس قوت وطاقت کے سامان اپنی حاجت سے زائد ہوں اس کو چاہیے کہ

اس فاضل سامان کو کمزور کو دے دے اور جس شخص کے پاس سامان خورد ونوش
حاجت سے زائد ہو اس کو چاہیے کہ فاضل سامان نادار اور حاجتمند کو دیدے۔
ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اسی طرح مختلف انواع مال کا ذکر
فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کر لیا کہ ہم میں سے کسی شخص کو اپنے فاضل
مال پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں ہے۔ (۳)

آیئے ذرا جائزہ لیتے ہیں کہ درج بالا حدیث پر عمل کے کیا اثرات ہو سکتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ موجودہ نظام برقرار ہے اور ہم صرف درج بالا حدیث پر عمل کر رہے ہیں۔ جب دولتمند افراد غریب افراد کو اپنا کمایا ہوا مال دیں گے تو ارتکاز زر کے مسئلہ کی بنیاد ہی ختم ہو جائے گی جو کہ معیشت کی خرابی کی جڑ ہے اور یوں کساد بازاری بھی ختم ہو جائے گی اسکے علاوہ امیر وغریب کے درمیان سب سے پہلا جو جذبہ پیدا ہو گا وہ محبت اور اخوت کا ہو گا۔ وہ اخوت جس نے عالم اسلام کو ایک اکائی کی مانند بنا دیا تھا، وہ جذبہ اخوت جس نے حجاج بن یوسف کو ہزاروں میل دور بیٹھی ایک عورت کی پکار پر اُٹھنے پر مجبور کر دیا اور سندھ کو باب الاسلام بنا دیا۔ یہ جذبہ آج بھی ہمارے بہت سے مسائل کا حل ہے۔ یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ آپ گہری نگاہ سے اسلامی ضابطہ حیات کا مطالعہ کریں تو انسانوں سے محبت، ہمدردی اور مسلمانوں کے درمیان اخوت کا جذبہ نمایاں نظر آئے گا اور یہی جذبہ اسلامی نظام معیشت کے پس منظر میں واضح ہے۔ اس نظام میں دولت نہیں انسان اہم ہے کیونکہ دولت انسانوں کیلئے کمائی جاتی ہے، انسان کو دولت کیلئے پیدا نہیں کیا گیا۔ آپ کے مسائل میں حل کروں، میرے مسائل آپ حل کریں، ہمارے وسائل ایک دوسرے کے کام آئیں۔ اور لیجئے جناب ازندگی بڑی آسانی ،ہنسی خوشی کیساتھ اور کسی خوف کے بغیر بسر کریں۔ آدھے سے زیادہ معاشی وسماجی مسئلے ہی ختم اور معیشت کی اصلاح ایک بہت بڑی جمپ کیساتھ شروع۔ یہ تو ہماری کم عقلی اور بے وقوفی ہے کہ اتنی بہترین تعلیمات کے باوجود ہم اجنبیوں کی طرح زندگی گزار کر اپنی مشکلات میں اضافہ کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے درمیان اجنبیت اور غیریت کا کیا کام؟ بات کو مختصر کرتے ہیں کیونکہ صرف اخوت اور درج بالا حدیث کے اثرات پر ہی کئی صفحات لکھے جا سکتے ہیں تاہم میری طرف سے تمام قارئین کیلئے دعوت فکر ہے کہ درج بالا احادیث اور اس سے ملتی جلتی احادیث لیں اور انکے روحانی ،نفسیاتی ،جسمانی ،معاشرتی اور معاشی اثرات کا مطالعہ کریں۔ آپ کو خود پر فخر محسوس ہو گا کہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کا دین اسقدر شاندار تعلیمات دیتا ہے۔

ارتکاز زر کی حرمت

دولت و سرمایہ داری کے وہ تمام اُصول قطعاً قابلِ تسلیم ہیں جن سے دولت معاشرے میں عام پھیلنے اور تقسیم ہونے کی بجائے سمٹ کر خاص حلقوں اور مخصوص طبقوں میں تقسیم ہو جائے اور اسطرح سے عام زندگی کو مفلوک الحال بنا دے۔ ارتکاز زر کی حرمت کے بارے میں مزید پڑھ لیجیے تا کہ کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

> فقراء و مساکین، قرابتداروں اور یتیموں وغیرہ پر اللہ نے جو خرچ کرنے کا یہ طریقہ بتایا ہے اسلیے ہے کہ ایسا نہ ہو کہ مال و دولت صرف دولتمندوں ہی میں محدود ہو کر رہ جائے۔(۴)
>
> وہ لوگ جو خزانہ بنا کر رکھتے ہیں سونے اور چاندی (یعنی زر مبادلہ) کو اور اسکو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو انکو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔ اس مال پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی، پھر اس سے دہکائی جائیں گی انکی پیشانیاں، پہلو اور انکی پیٹھ (اور کہا جائے گا کہ) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے واسطے گاڑ رکھا تھا اور چکھو مزہ اپنے جمع کرنے کا۔(۵)

ارتکاز زر کی حرمت کی بات ہو اور سود کا ذکر نہ ہو، یہ امر محال ہے کیونکہ سود ارتکاز زر کی ایک بہت اہم وجہ ہے۔ آیئے سودی سرمائے کی کارستانیاں دیکھتے ہیں اور سود کی حرمت کے بارے میں پڑھتے ہیں۔

سود

دنیا میں دو عظیم جنگیں کیوں ہوئیں؟ اور ایک طویل عرصے تک دنیا سرد جنگ کی لپیٹ میں کیوں رہی؟ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ جنگیں، معرکے اور تباہ کاریاں درحقیقت سودی سرمائے کی عالمی بالادستی اور اسکے ردعمل کا نتیجہ تھیں۔ عالمی سودی سرمایہ سائنس، صنعت اور ٹیکنالوجی کی قیادت میں پوری دنیا میں انا ولا غیری کا نعرہ لگا کر دنیا بھر کے تمام وسائل، ذخائر، توانائی و معدنیات کے خزانوں اور افرادی استعداد پر بلاشرکت غیر قابو پانا چاہتا ہے جبکہ اسکے استحصال سے آزادی، خودمختاری اور اقتصادی خودکفالتی کی لہر نے دیگر اقوام کو اپنی غربت، بے روزگاری اور احتیاج کے خاتمے کیلئے بغاوت و سرکشی پر آمادہ کیا اور یہی نقطہ عالمی جنگوں اور سرد جنگ کا آغاز بنا۔(۶) اسی لئے تعلیمات نبوی ﷺ کی رُو سے سود قطعاً حرام ہے۔

اللہ نے بیع (تجارت و سودے بازی) کو حلال اور سُود کو حرام کیا ہے۔(۷)

سود کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دولت سمٹ سمٹ کر چند افراد کے پاس اکٹھی ہو جاتی ہے، عوام کی قوت خرید روز بروز کم ہوتی جاتی ہے، صنعت، تجارت اور زراعت میں کساد بازاری واقع ہوتی ہے، قوم کی معاشی زندگی تباہی کے سرے پر جا پہنچتی ہے اور آخر کار خود سرمایہ داروں کیلئے بھی اپنی جمع شدہ دولت کو افزائش دولت کے کاموں میں لگانے کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا۔ جبکہ اسکے برخلاف زکوٰۃ و صدقات کا حکم اسلئے دیا گیا کہ قوم کے تمام افراد تک دولت پھیل جائے، ہر شخص کو کافی قوت خرید حاصل ہو، صنعتیں پرورش پائیں، کھیتیاں سرسبز ہوں، تجارت کو خوب فروغ ہو اور چاہے کوئی لکھ پتی یا کروڑ پتی نہ ہو مگر سب خوشحال اور فارغ البال ہوں۔ یہی وجہ تھی ابتدائے عہد اسلامی میں جب اس معاشی نظریے کو پوری شان و شوکت کیساتھ عملی جامہ پہنایا گیا تو چند سال کے اندر اندر قوم کی خوشحالی اس مرتبہ کو پہنچ گئی کہ لوگ زکوٰۃ کے مستحقین کو ڈھونڈتے پھرتے تھے اور مشکل سے ہی کوئی ایسا شخص ملتا تھا جو صاحب نصاب نہ ہو۔(۸) اسی بات کی طرف یہ تعلیمات اشارہ کرتی ہیں۔

> اور جو یہ تم سود دیتے ہو تا کہ لوگوں کے اموال میں اضافہ کرو تو اللہ کے نزدیک وہ ہرگز نہیں بڑھتا۔ بڑھوتری تو اُن اموال کو نصیب ہوتی ہے جو تم اللہ کیلئے زکوٰۃ (اور صدقات کی مد میں) دیتے ہو۔(۹)
>
> نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سُود اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو مگر انجام کار وہ کمی کیطرف پلٹتا ہے۔(۱۰)

تجارت

اقتصادی نظام کی ترقی و برتری کا راز سب سے زیادہ تجارت میں مضمر ہے۔ جو قوم جسقدر اس میں دلچسپی لیتی ہے وہ اسی قدر اپنی اقتصادی بہبود کی زیادہ کفیل بنتی ہے بصورت دیگر وہ اقتصادی نظام میں ہمیشہ دوسروں کے دست نگر رہتے ہیں اور اسی راہ سے دوسری اقوام انکے تمدن، تہذیب، معیشت، سیاست بلکہ 'مذہب' پر بھی قابض ہو جاتی ہیں اور انہیں غلام بنا کر ان پر بالواسطہ یا بلاواسطہ حکومت کرتی ہیں۔ دنیا میں موجود سیاسی و مذہبی کشمکش کے پیچھے معیشت اور تجارتی منڈیوں کا عمل دخل ہے، مغرب نے صرف اور صرف صنعت، تجارت، مالیات اور برآمدات کی طاقت سے مشرقی اقوام کو یرغمال بنایا ہوا ہے (مزید تفصیلات کیلئے دیکھیے عالمی نظام سیاست و اقتصاد(۱۱)) ۔اب ذرا پڑھیے کہ ہمارے نبی ﷺ

ہمیں اس بارے میں کیا تعلیم دیتے ہیں۔

اپنے اموال کو آپس میں باطل کی راہ سے نہ کھاؤ بلکہ باہمی رضا کیساتھ تجارت کی راہ سے نفع حاصل کرو۔(۱۲)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سچے اور امانتدار تاجر کا حشر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کیساتھ ہوگا۔(۱۳)

تجارت اس دنیا میں معاشی اعمال میں سب سے بڑا وسیلہ، معاش ہے اور تمدن وحضارت کے اسباب میں سب سے بڑا سبب ہے۔(۱۴)

آجر اور اجیر کا مسئلہ

آجر اور اجیر کے مسائل میں درجہ ذیل تعلیمات ہماری رہنمائی کرتی ہیں:

یقیناً جسے تو نوکر رکھے اس میں اچھا وہ ہے جو قوت والا ہو اور امانت والا۔(۱۵)

اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ جب بندہ کوئی کام کرے تو اس میں اتقان پیدا کرے یعنی اس کو ٹھیک جیسا کہ (کرنا) چاہیے اسی طرح انجام دے۔(۱۶)

کسی سے خدمت لے کر اس کی واجبی (جائز) اجرت نہ دینا اس معنی میں ہے کہ کسی آزاد شخص کو فروخت کر کے اس سے معیشت پیدا کرنا۔ اسلئے کہ جب کسی نے بغیر عوض (یا کم اجرت) کے اپنے منفعت (کام) کو پورا کر لیا تو گویا اس شخص کی ذات کو فروخت کر کے اسکو روزی بنا لیا۔ اس لئے بغیر (یا کم) اجرت دے کر کام لینا گویا اس کو اپنا غلام سمجھ لینا ہے۔(۱۷)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مزدور کی اجرت اسکے پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔(۱۸)

اب کہیے کہ کیا درج بالا تعلیمات آجر کے اس ڈر کے ساتھ ساتھ کہ worker اپنی پوری صلاحیت اور ایمانداری کے ساتھ کام نہیں کرے گا، اجیر کے اس خوف کا بھی خاتمہ نہیں کرتیں کہ اس کی حق تلفی کی جائے گی؟ اب آپ انصاف سے کام لے کر بتایئے کہ درج بالا احادیث کی روشنی معیشت کی اصلاح ہو رہی ہے یا نہیں؟

آپ قرآنی آیات اور 'باب الاجارہ' کے تحت آنے والی احادیث کا مطالعہ انفرادی و سماجی

بہبود کی روشنی میں کریں تو آجر اور اجیر کے عالمی مسئلے کو انتہائی خوش اسلوبی کیساتھ حل ہوتا ہوا دیکھیں گے۔

زراعت

زراعت کی اہمیت معیشت میں مسلّم ہے۔ جب تک کوئی قوم خوراک میں خود کفیل نہیں ہوگی وہ معاشی طور پر دوسروں کی محتاج رہے گی خواہ وہ صنعتی طور پر کتنی بھی ترقی کر جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

رزق کو زمین کی پہنائیوں (گہرائیوں) میں تلاش کرو۔(۱۹)

جو مسلمان درخت بوتا ہے یا کھیتی کرتا ہے اور اسی سے پرند، انسان اور جانور اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں تو یہ عمل اسکے حق میں صدقہ بنتا ہے یعنی اجر وثواب کا باعث بنتا ہے۔(۱۹)

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

اگر کسی ملک کے باشندوں کی اکثریت صنعت وحرفت اور شہری سیاسیات ہی میں مصروف رہے اور زراعت اور مویشیوں کی حفاظت اور پرورش کی جانب بہت تھوڑے لوگ مشغول ہوں تو انکی دنیاوی تمدنی زندگی فاسد اور خراب ہو جائے گی۔(۲۰)

اب ہماری کوتاہ بینی ملاحظہ ہو کہ بجائے اسکے کہ ہم ان ارفع تعلیمات پر عمل کرتے اور خوراک میں خود کفیل ہوتے، سامراجی پراپیگنڈے کا شکار ہو کر ہم نے اپنی Exports میں اضافے کی خاطر نقد آور فصلیں کاشت کرنا شروع کر دیں۔ اس طرح سے ساہوکاروں کی دولت میں تو اضافہ ہوا لیکن عوام اناج کی کمی کا شکار ہو گئے۔ آپکے علم میں یہ بات لازمی آنی چاہیے کہ دنیا میں سازشیں کر کے بھوک، افلاس اور قحط سالی کو پھیلایا جاتا ہے۔ چونکہ یہ موضوع زیر بحث نہیں ہے لہذا مزید تفصیلات کیلئے دیکھیں How the Other Half Dies: The Real Reasons For World Hunger اور (۲۱) The Politics of World Hunger: Grass-Roots Politics and World Poverty (۲۲)

جاگیردارانہ نظام کی قباحتوں پر پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ تاہم اسلام کے جذبہ اخوت کے پیش نظر اس کی اصلاح بھی ممکن ہے۔

عمرو بن دینار نے کہا، میں نے طاؤس سے کہا کہ بٹائی (پر زمین دینا) چھوڑ دو تو

بہتر ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ طاؤس نے کہا کہ میں لوگوں کو زمین دیتا ہوں، انکا فائدہ کرتا ہوں اور صحابہ میں جو بڑے عالم تھے یعنی حضرت عباسؓ انہوں نے مجھ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے بٹائی سے منع نہیں کیا البتہ یہ فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو (کاشت کیلئے) یوں ہی مفت زمین دے دے تو اس سے بہتر ہے کہ اسکا محصول (نقد یا فصل کی صورت میں) لے۔ (۲۳)

حضرات! آپ ہی بتایئے کہ اس حدیث پر عمل کی صورت میں ہمارا غریب دیہی طبقہ کیا خوشحالی کی راہ پر گامزن نہ ہوگا؟ اسکے علاوہ تمام تر زرعی زمین کاشت ہونے کی وجہ سے زرعی اجناس کی بہتات ہوگی اور انکی قیمتوں میں جسقدر کمی آئیگی اس کا بھی بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

'انفرادی معیشت کی اصلاح'

معیشت اور اسباب معیشت کا تعلق انسان کی اجتماعی اور انفرادی دونوں قسم کی زندگی سے وابستہ ہے۔ انفرادی اور اجتماعی شعبہ ہائے حیات کے درمیان لازم وملزوم کا رشتہ قائم ہے اور ایک کا اثر دوسرے پر پڑنا ناگزیر ہے، تاہم دونوں شعبوں کی تفصیلات جدا جدا ہیں۔ یہاں اجتماعی معیشت پر مفصل بحث کا موقع نہیں ہے کیونکہ اس میں حکومت کا بہت عمل دخل ہوتا ہے جسکی توضیح کیلئے نظام حکومت اور سماجی اداروں کے کردار پر بحث لازمی ہے جو کہ اس مضمون کا موضوع نہیں ہے۔

اسلام انفرادی معیشت کو چار حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ پہلے حصے میں انسان کو کسب معاش کی ترغیب دی ہے اور باقی تین حصوں میں ان سوالات کو حل کیا گیا ہے جو معیشت کے مسئلے میں فوری طور پر سامنے آتے ہیں یعنی (1) کیا کمائیں؟ (2) کیا خرچ کریں؟ (3) کس پر خرچ کریں؟ (۲۴)

کسب معاش کیلئے ترغیبات

اس خدشے کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ کہیں معاشرے میں فارغ رہ کر کھانے والوں کی ایک تعداد پیدا نہ ہوجائے، انسان کو جدوجہد کی تلقین کی گئی ہے کیونکہ جمود اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانے والی زندگی موت کے مترادف ہے، اسکو حیات کہنا بے معنی ہے اور نہ ہی اسکو توکل کی زندگی کہا جاسکتا ہے۔

حضرت مقدادؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہے اور حضرت داؤدؑ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے (یہاں

مختلف صنعتوں کے قیام کیطرف بھی اشارہ ہے)۔ (۲۵)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو اپنے رزق کی جدوجہد کے بغیر نیند (آرام) کا نام نہ لو۔ (۲۶)

ہمیں سکھایا گیا کہ دنیا میدان عمل ہے۔ یہاں جمود موت کے مترادف ہے۔ اس کارگاہ ہستی میں اللہ تعالٰی نے سامان رزق کے ذخیرے جمع کردیے ہیں مگر تلاش وسعی شرط ہے۔ بقول اقبالؒ:

'پوشیدہ قرار میں اجل ہے'۔

کسب معاش کے اساسی اصول:

آیئے تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ کیا کمایا جائے؟ اور کسب معاش کیلئے کونسے ذرائع اختیار کیے جائیں؟

اے لوگو! جو کچھ زمین میں ہے اس میں سے حلال طیب کھاؤ اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو، بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (۲۷)

علامہ رشید رضا نے تفسیر المنار میں لکھا ہے۔

۔۔۔۔پس جو شے ناحق لی گئی اور صحیح طریق کار سے حاصل نہیں کی گئی بلکہ سود، رشوت، جوا، ظلم، غصب، دھوکہ، خیانت اور چوری جیسے ناپاک ذرائع سے حاصل کی گئی وہ بھی حرام ہے اسلئے کہ 'طیب' (حلال) نہیں ہے۔۔۔۔۔ (۲۸)

معمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ احتکار (ذخیرہ اندوزی) کرنے والا گنہگار ہے۔ (۲۹)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو چالیس دن غلہ بند کرتا ہے اور اسکے مہنگا ہونے کا انتظار کرتا ہے وہ اللہ سے بیزار ہوا اور اللہ تعالٰی اس سے بیزار ہوا۔ (۳۰)

اسلامی معیشت میں 'اقتصاد' (میانہ روی) مطلوب ہے اور 'اکتناز' (اجتماعی حقوق کو نظر انداز کر کے دولت کو جمع کرنا) اور 'احتکار' (ناجائز وسائل معیشت سے مال اکٹھا کرنا) حرام اور مردود ہے۔ (۳۱)

اب آپ آسان الفاظ میں یوں سمجھ لیں کہ 'اکتناز' اور 'احتکار' کو حرام قرار دے کر اسلام نے عام مخلوق خدا کے افلاس اور فقر وفاقہ کی وجوہات ہی ختم کردی ہیں۔ اب بتایئے کہ معیشت smooth running

کیوں نہیں کرے گی؟

مصارف کے بنیادی اُصول

کیا خرچ کیا جائے؟ کتنا خرچ کیا جائے؟ کس پر خرچ کیا جائے؟ اگر ان سوالات کو تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں حل کیا جائے تو بہت سارے معاشی مسائل کا خود بخود خاتمہ ہو جاتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ اور کتنا خرچ کریں؟

> اللہ کے بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل (کنجوسی) برتتے ہیں بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل رہتے ہیں۔ (۳۲)

علامہ شبیر احمد عثمانی فوائد القرآن میں لکھتے ہیں۔

> خدا کا دیا ہوا مال فضول بے موقع مت اُڑاؤ، فضول خرچی یہ ہے کہ معاصی (گناہ کے کام) اور لغویات (ایسے کام جو انسان کو زیب نہیں دیتے اور انسانی عقل بھی ان سے منع کرتی ہے جیسے کہ شادی بیاہ وغیرہ پر بے جا اُڑانا) میں خرچ کیا جائے یا مباحات میں بلا سوچے سمجھے اتنا خرچ کر دے جو آگے چل کر تفویتِ حقوق (عائد شدہ حقوق کا ادا نہ کر سکنا) اور ارتکاب حرام کا سبب بنے۔ (۳۳)

اب ذرا ایک نظر اس پر بھی ڈالتے ہیں کہ کس پر خرچ کریں؟

> رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بنی تمیم کا ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں بہت مالدار ہوں اور میرے اہل وعیال بھی ہیں اور مہمانداری بھی خاصی ہوتی رہتی ہے، آپ ﷺ مجھے یہ بتایئے کہ میں کس طرح خرچ کروں اور اس معاملے میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے مال سے پہلے زکوٰۃ نکال اگر وہ زکوٰۃ کی مقدار کو پہنچتا ہے، اسلئے کہ زکوٰۃ مال کو خباثت سے پاک کر دیتی ہے اور پھر اقرباء سے مالی صلہ رحمی کر اور سائل، پردیسی اور مسکین کے حقوق کی نگہداشت کر، اس شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ اس تمام تفصیل کو جامع اور مختصر الفاظ میں فرما دیجیے (کہ میں اسکو دستور زندگی بنالوں) تب آپ ﷺ نے یہ

> آیت پڑھ کر سُنا دی: 'پس ادا کرو قرابت والوں کو انکا حق اور مساکین کا اور مسافر کا اور ناحق ہرگز خرچ نہ کرو'۔ سائل نے یہ سُن کر عرض کیا کہ بس میرے لئے یہ کافی ہے۔ (۳۴)

لیجئے جناب! یہاں انفرادی بچت بھی آ گئی جو کہ قومی بچت کا ایک ذریعہ ہے، ارتکاز زر کی بھی جڑ کٹی اور اوپر بیان کردہ ناجائز ذرائع بشمول ذخیرہ اندوزی اور ملاوٹ وغیرہ سے بھی جان چھوٹ گئی۔

یہ اللہ کے نبی ﷺ کی تعلیمات کا اعجاز ہے کہ آپ موجودہ نظام کو مت چھیڑیے، حکومت کو اپنا کام کرنے دیجئے، صرف اپنے طور پر ہی زیادہ نہیں تو صرف اوپر بیان کردہ تعلیمات نبوی ﷺ پر ہی عمل کر لیجئے یعنی 'انفرادی معیشت' کی اصلاح کر لیجئے اور پھر دیکھئے کہ زندگی کتنے توازن کیساتھ گزرتی ہے اور معاشرے میں موجود معاشی عدم توازن کس خوبی کیساتھ ختم ہوتا ہے۔

لُبِ لباب

کوئی بھی شخص اگر دولت اپنے پاس سمیٹ سمیٹ کر رکھے اور اسکو جمع کرنے یا خرچ کرنے میں محض اپنے ذاتی مفاد کو ملحوظ خاطر رکھے تو یہ صرف معاشرے کیلئے ہی نقصان دہ نہیں بلکہ انجام کار اسکا نقصان خود اُس شخص کو بھی ہوگا۔ اگر ہر شخص دوسروں کو نقصان پہنچائے بغیر اکتساب مال کی کوشش کرے اور پھر اپنے کمائے ہوئے مال کو خرچ کرنے میں کفایت شعاری اور اعتدال باہمی کو ملحوظ رکھے تو معاشرے میں معاشی ناہمواری پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ McDonald اور KFC وغیرہ میں ایک برگر کی جتنی قیمت ہے وہ ایک غریب آدمی کی تین وقت کی روٹی کیلئے کافی ہے۔ ہمارے معاشرے میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو پانی میں مرچیں گھول کر سالن کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ کیا ہماری کمائی پر ان لوگوں کا کچھ حق نہیں ہے؟ کیا ہم سے آخرت میں ان لوگوں کے بارے میں کچھ بازپرس نہ ہو گی؟

موجودہ حالات پر ایک سرسری سی نگاہ بھی سامراجی نظام معیشت کے تباہ کن اثرات کو ظاہر کرنے کیلئے کافی ہے۔ رہی سہی کسر ہماری کرنسی کی گرتی ہوئی ساکھ نے نکال دی ہے (یہاں مضمون کی طوالت کے خوف سے اسلام کے مالیاتی نظام کو زیر بحث نہیں لایا گیا۔ اس سلسلے میں تفصیلات کیلئے دیکھیے 'اسلامی ریاست کا مالیاتی اور بینکاری نظام' (۳۵) اور اسی قسم کی دوسری کتب)۔ نوجوان نسل انتہائی مایوسی اور ڈپریشن کا شکار ہے (۳۶)۔ ہر طرف نفسانفسی کا دور دورہ ہے۔ خودغرضی اپنی انتہاؤں کو پہنچ رہی

ہے۔ ضروریاتِ زندگی کی کمی لوگوں کو خونی رشتوں کے ساتھ ساتھ مذہب و اخلاقیات سے بھی بیگانہ کر رہی ہے۔ کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم بجائے اجنبیت کے اخوت کو فروغ دیں اور ایک دوسرے کی مدد کریں؟ اس سے پہلے کہ آگ ہمارے دامن تک پہنچے ہمیں تعلیماتِ نبوی ﷺ کی طرف رجوع کرنا چاہیے کیونکہ نبوی ﷺ تعلیمات ہی عام خوشحالی، رفاہیت و طمانیت کی ضامن ہیں اور یہی 'ضمانت' معاشی نظام کا 'حاصل' ہے۔ اس دُعا کے ساتھ اختتام کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح راہ پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائیں، آمین۔

حوالہ جات

۱۔ محمد حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور (چوتھا ایڈیشن)، صفحہ 17

۲۔ سورۃ نحل، پارہ 14، آیت 71

۳۔ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم ظاہری ابن حزم، مکتبہ دار التراث، قاہرہ، 1347ھ، جلد 6، صفحہ 158-157

۴۔ سورۃ حشر، پارہ 28، آیت 7

۵۔ سورۃ توبہ، پارہ 10، آیت 35-34

۶۔ خالد محمود، عالمی نظام سیاست و اقتصاد اور افغانستان کی عالمی تحریک، گوشہ علم و تحقیق مدینہ گارڈن جمشید روڈ نمبر 2 کراچی، صفحہ 341-340

۷۔ سورۃ بقرہ، پارہ 3، آیت 275

۸۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی، سود، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، 1996ء، صفحہ 32-31

۹۔ سورۃ روم، آیت 39

۱۰۔ محمد ابو عبداللہ ابن ماجہ، ابن ماجہ، دار الجلیل، 1998ء، باب الاجارہ، جلد 3، صفحہ 515

۱۱۔ خالد محمود، عالمی نظام سیاست و اقتصاد اور افغانستان کی عالمی تحریک، گوشہ علم و تحقیق مدینہ گارڈن جمشید روڈ نمبر 2 کراچی، صفحہ 250

۱۲۔ سورۃ النساء، پارہ 5، آیت 29

۱۳۔ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، الترمذی، دار الغرب الاسلامی بیروت، 1998ء، جلد 2، صفحہ 498

۱۴۔ محمد حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور (چوتھا ایڈیشن)، صفحہ 242

۱۵۔ سورۃ القصص، پارہ 20، آیت 26

۱۶۔ علاؤ الدین المتقی، کنز العمال، مطبع مؤسسۃ الرسالۃ، 1409ھ، جلد 6، صفحہ 238

۱۷۔ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، البخاری، مکتبہ دار ابن کثیر، دمشق، 1990ء، باب الاجارہ، جلد 2، صفحہ 794

۱۸۔ محمد ابو عبداللہ ابن ماجہ، ابن ماجہ، دار الجلیل، 1998ء، باب الاجارہ، جلد 3، صفحہ 515

۱۹۔ محمد حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور (چوتھا ایڈیشن)، صفحہ 166-165

۲۰۔ " " " " " " صفحہ 167

۲۱۔ How The Other Half Dies: The Real Reasons For World Hunger, Susan George, Penguin Books, Harmondworth, Middlesex, UK, revised 1986 edition

۲۲۔ The Politics of World Hunger: Grass-Roots Politics and World Poverty, Paul and Arthur Simon, Harper's Magazine Press, New York USA, 1973

۲۳۔ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری مترجم، ترجمہ مولانا وحید الزمان، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور، جلد 2، صفحہ 918

۲۴۔ محمد حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور (چوتھا ایڈیشن)، صفحہ 61

۲۵۔ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، البخاری، مکتبہ دار ابن کثیر، دمشق، 1990ء، باب البیوع، جلد 2، صفحہ 730

۲۶۔ علاؤ الدین المتقی، کنز العمال، مطبع مؤسسۃ الرسالۃ، 1409ھ، جلد 2، صفحہ 100

۲۷۔ سورۃ بقرہ، پارہ 2، آیت 168

۲۸۔ محمد حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور (چوتھا ایڈیشن)، صفحہ 66-65

۲۹۔ ولی الدین محمد بن عبداللہ، مشکوٰۃ شریف مترجم، مترجم مقبول الرحمٰن، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور، باب الاحتکار، جلد 2، صفحہ 66

۳۰۔ " " " " " صفحہ 67-66

۳۱۔ محمد حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور (چوتھا ایڈیشن)، صفحہ 75-74

۳۲۔ سورۃ الفرقان، پارہ 19، آیت 67

۳۳۔ محمد حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور (چوتھا ایڈیشن)، صفحہ 69

۳۴۔ " " " " صفحہ 72-71

۳۵۔ پروفیسر رفیع اللہ شہاب، اسلامی ریاست کا مالیاتی و بینکاری نظام، دوست البسوی اینس اکرم مارکیٹ اردو بازار لاہور، 1996ء

۳۶۔ "نوجوان نسل معاشرے سے ناراض کیوں ہے؟" سنڈے میگزین، روزنامہ جنگ، 19 مارچ 2006ء

نوٹ: اس مضمون میں آیات و احادیث کا لفظ بہ لفظ ترجمہ کرنے کی بجائے الفاظ مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

حیات بعد الممات۔قدرت الٰہیہ کی ظاہری علامات

محمد اعظم سعیدی
مہتمم جامعہ اسلامیہ کورنگی، کراچی

فقلنا اضربوہ ببعضھا کذالک یحی اللہ الموتی ویریکم ایتہ لعلکم تعقلون۔

ترجمہ۔سو ہم نے کہا کہ اس کے ایک حصے (ٹکڑے) سے اس مقتول کو مارو۔اسی طرح زندہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ مردوں کو اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔(سورۂ بقرہ آیت ۷۳)

اس میں لفظ ایۃ استعمال ہوا ہے جو کہ اصل موضوع سخن ہے مگر پہلے یہ دیکھنا ہے کہ آیت کا معنی ومفہوم اور مراد کیا ہے۔آیت ہر قسم کی عقلی ونقلی دلیل کو کہتے ہیں جبکہ اس کا معنی برہان، علامت و نشان، ذات اور جماعت بھی ہے۔

آیت کا معنی، نشان، حجت ظاہری، بالکل حق، جس میں شک کی گنجائش نہ ہو۔قرآن، توریت، انجیل کا فقرہ یعنی کتب سماوی کا جملہ (فیروز اللغات ص ۴۹ مطبوعہ فیروز سنز ندارد)

صاحب تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی کہتے ہیں قرآن کے جملہ کو آیت اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل، یا حضور اکرم ﷺ کی نبوت کی علامت ونشانی ہوتی ہے۔یا ایک مفہوم پر مشتمل حروف کا مجموعہ ہوتا ہے یا اپنے مابعد کلام سے منفرد یا انسانی کلام سے علیحدہ ہونے کی پہچان ہے (بحوالہ تفسیر نعیمی زیر آیت ۱۴۵)

سید قاسم محمود لکھتے ہیں (آیت) نشانی، علامت، سطر، مصرعہ، قرآن کا وہ جملہ جو اپنے معنی کو ایک حد تک مکمل کرلے جس کی ابتداء اور ایک انتہا ہو۔پوری کائنات کو ایک علامت قرار دیا جاسکتا ہے۔

اور بعض مصائب بھی ایک آیت کہلا سکتے ہیں۔قرآن میں آیت کا لفظ عبرت کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔اور قرآن کے ان جملوں کو بھی جو اپنا ایک واضح آغاز اور انجام رکھتے ہوں آیت کہتے ہیں (شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا ص ۶۱ مطبوعہ الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور سن ندارد)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے بعد مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کے حوالے سے اپنی قدرت کاملہ پر بطور دلیل ظاہری آیت وعلامت کا اظہار فرمایا ہے اور عقل مندوں کو یہ دعوت دی ہے کہ وہ اس ظاہری علامت وحجت میں غور وفکر کرکے ایک نظیر سے دوسری نظیر کو تسلیم کرلیں اور یہی عقل مندی کا تقاضہ ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ دلیل یا علامت کیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر اپنی قدرت کے لیے بطور نشانی ظاہر فرمایا ہے۔اگرچہ چند دوسری نشانیاں بھی سورۂ بقرہ کی مختلف آیات میں اظہر من الشمس ہیں مگر اس حجت ظاہری کے قریب ترین جو واقعہ ہے وہ ایک مخصوص بچھڑے کو ذبح کرنے اور اس کے گوشت کے کسی ایک حصے کو کاٹ کر مقتول شخص کے جسم پر مارنے سے مقتول کے زندہ ہوکر اپنے قاتل کا پتہ بتانے سے متعلق ہے، اس واقعہ کی مختصر تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

بنی اسرائیل کے ایک دولت مند شخص عامیل کو اس کے ایک رشتے دار نے یا بقول سدی اسکے چچازاد بھائی نے یا ایک قول کے مطابق اس کے سگے بھائی نے (بحر المحیط ج ۱ ص ۴۰۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت سن طباعت ۱۴۱۲ھ) اسے قتل کیا اور الزام دوسرے لوگوں پر رکھ دیا۔پھر مدعی اور مدعیان علیہ دونوں قاتل کا معلوم کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بغیر ثبوت کے کسی کو قاتل ٹھہرانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تم ایک بچھڑا ذبح کرو، پھر اسکے گوشت کا کوئی ایک حصہ اس مقتول کے جسم پر لگاؤ تو وہ مقتول زندہ ہوکر تمہیں اپنے قاتل کے بارے میں بتادیگا چنانچہ جب بچھڑا ذبح کیا گیا اور اس کے جسم میں سے ایک حصہ (بقول شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی (گائے) کے جسم کے حصے میں مختلف اقوال ہیں مثلاً زبان، دم، کان، ہڈی اور دل وغیرہ۔۔تبیان القرآن زیر آیت ۷۳) کاٹ کر مقتول کے جسم پر مارا گیا تو وہ کچھ دیر کے لیے زندہ ہو گیا اور اپنے بھتیجے کی بطور قاتل نشاندہی کرکے پھر مرگیا، یہ ہے اس واقعہ کا خلاصہ جسے تقریباً ہر مفسر نے بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو اپنی قدرت کاملہ کی ایک نشانی قرار دیا ہے کہ جو ایک مقتول کو چالیس سال بعد (مدارک ج ۱ ص ۱۴۴ زیر آیت ۷۳) دنیا میں ہی دوبارہ زندگی عطا فرماسکتا ہے وہ قیامت کے بعد تمام انسانوں کو بھی دوبارہ زندہ فرماسکتا ہے جس طرح اس مقتول نے چالیس سال بعد زندہ ہوکر دنیا میں

اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کو تمہارے سامنے پیش کیا ہے اور اپنے قاتل کی نشاندہی کی ہے۔ اسی طرح بعد قیامت زندہ کیئے جانے والے جملہ انسان اپنی دنیاوی زندگی سے متعلق تمام سوالات کے جوابات دینگے اور اپنے اعمال وافعال کی تصدیق خود ہی کرینگے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی قدرت کا یہ نمونہ دکھادیا ہے تاکہ تم اس نظیر پر غور کر کے قیامت کے بعد والی نظیر پر ایمان لے آؤ۔ نیز اللہ تعالیٰ ایسی نشانیاں اس لئے ظاہر فرماتا ہے کہ ایک تو تم عقل سے کام لے کر اس کی قدرت کاملہ پر استدلال کرسکو اور دوسرا تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے۔ چنانچہ صاحب مدارک لعلکم یریکم ایته کے ضمن میں لکھتے ہیں وھی ان من قدر علی احیاء نفس واحدۃ قدر علی احیاء جمیعھا یعنی جو ذات ایک مردہ کو زندہ کرسکتی ہے وہ تمام مردوں کو بھی دوبارہ خلعت حیات عطا کرسکتی ہے (مدارک ج اص ۴۴ زیر آیت ۷۳)

بچھڑا ذبح کرنے اور اس کے ذریعے قاتل کا پتہ لگانے کو ایک ہی واقعہ قرار دینا اگرچہ نظم قرآن کے اس لئے خلاف ہے کہ قرآن مجید میں واؤ سے جتنے واقعات بیان ہوئے ہیں وہ سب اپنی نوعیت میں مستقل واقعات ہیں، اور یہ دونوں واقعات بھی الگ الگ واؤ سے بیان کیے گئے ہیں پھر عامیل کے قتل ہونے اور بچھڑے کو تلاش کر کے ذبح کرنے کے درمیان ۴۰ سال کا وقفہ ہے، اس دوران لاش کا بے گور وکفن پڑے رہنا، لاش کا گلنے سڑنے اور متعفن ہونے سے محفوظ رہنا، موسمی اثرات و ماحولیات کا اثر وغیرہ قبول نہ کرنا، ایسی خلاف مشاہدہ باتیں اس تصور کو تقویت دیتی ہیں کہ بچھڑا ذبح کرنے کے حکم کا پس منظر کوئی اور واقعہ ہے۔ نیز طرہ یہ کہ بچھڑا ذبح کرنے کا حکم واقعہ قتل سے چالیس سال پہلے دیا گیا تھا۔ یہ اور اس طرح کے مزید دلائل ان دونوں واقعات کو الگ الگ ثابت کرتے ہیں مگر اسلاف مفسرین کی رعایت وتتبع میں ان دونوں واقعات کو تطبیق کی لڑی میں پرو کر ایک دوسرے سے جوڑا جاسکتا ہے۔

دونوں واقعات میں تطبیق یہ ہے کہ بنی اسرائیلیوں کی کسی سرکشی، حکم عدولی یا بچھڑے پرستی پر بطور سزا انہیں بچھڑا ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔ تو ان کی پہلو تہی، بہانے بازی اور حیل وحجت کے سبب ۴۰ سال بیت گئے، بالآخر جب دنیا کا مہنگا ترین وہ بچھڑا تلاش کرلیا گیا تو عین اس وقت عامیل قتل ہو گیا اور قاتل نے الزام دوسروں پر دھر دیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر قاتل کو بے نقاب کرنے کی درخواست کی۔ تو حضرت موسیٰ نے انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنایا کہ اسی بچھڑے کو ذبح کرو اور اسکے گوشت کا ایک حصہ مقتول کی لاش پر مارو تو وہ زندہ ہو کر قاتل کے بارے میں خود ہی بتا دے گا۔ چنانچہ اس

حکم پر عمل ہوا اور مقتول نے زندہ ہو کر بتا دیا کہ مجھے میرے بھتیجے نے قتل کیا ہے۔

دوسری تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ واقعی مقتول کے قاتل کو بے نقاب کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں بچھڑا ذبح کرنے کا حکم فرمایا مگر بنی اسرائیلی قاتل کو چھپانے اور بچھڑے سے اپنی عقیدت ومحبت (جو سامری کے بچھڑے سے انکے دل میں در آئی تھی) کے باعث اس حکم پر عمل کرنے سے پہلو تہی کر رہے تھے جب کہ اللہ تعالیٰ قاتل کو بے نقاب کرنے کا ارادہ فرما چکے تھے۔ بنی اسرائیل جیسے جیسے حجتیں کر رہے تھے اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح ان کے لئے سخت شرائط میں اضافہ فرماتے گئے بالآخر انہوں نے انشاء اللہ کہا اور شرائط کے مطابق وہ بچھڑا تلاش کرلیا، پھر اسے ذبح کیا اور اس کے گوشت کا ایک حصہ مقتول عامیل کے جسم سے لگایا تو اس نے زندہ ہو کر بتا دیا کہ میرا قاتل میرا بھتیجا ہے، وہ مقتول جو ۴۰ سال تک بے گور وکفن، صحیح سالم پڑا رہا تو یہ بھی قدرت الٰہی پر ایک دلیل ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ چالیس سال تک اس مقتول کو جوں کا توں رکھے اور اسے گوشت خور حیوانات وحشرات الارض سے بچائے رکھے جیسا کہ اس ذات قدیر نے فرعون کی لاش کو ۲۵۰۰ سال تک دریائے نیل کی ریت میں بحری حیوانات اور زمین کی دست برد سے محفوظ رکھا یا حضرت عزیر علیہ السلام کو عالم نیند میں وہ بھی کھلے میدان میں ایک سو سال تک اور اصحاب کہف کو بھی ۳۰۹ سال تک غار میں اسی لباس میں بحفاظت رکھا یا حضرت یونس علیہ السلام کو باختلاف روایات پانچ سات یا چالیس دن مچھلی کے پیٹ میں بحفاظت زندہ وسلامت رکھا۔ چنانچہ اسی ذات قدیر نے اپنی قدرت سے اس عامیل مقتول کے جسم کو بھی ۴۰ سال تک بحفاظت رکھا اور اس مذبوحہ بچھڑے کے گوشت کو قاتل کو بے نقاب کرنے کا سبب بنایا ہو۔ نیز بنی اسرائیل کے لیے یہ کوئی نیا واقعہ نہیں تھا بلکہ تبیان القرآن ج اص ۳۵۳ کے مطابق اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے ستر بنی اسرائیلیوں کو زندہ فرما کر انہیں اپنی قدرت کا کرشمہ دکھایا تھا۔

اسلاف مفسرین کی مطاوعت کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ بچھڑا ذبح کرنے کا حکم اور عامیل کا زندہ ہو کر اپنے قاتل کی نشاندہی کرنا یہ دونوں الگ الگ مستقل واقعات ہیں، بچھڑا ذبح کرنے کا حکم عامیل کے قاتل کی نشاندہی کے لئے نہیں تھا بلکہ اس حکم کا پس منظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل صدیوں تک مصریوں کے ساتھ رہنے کے باعث گوسالہ یعنی بچھڑا پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد اگرچہ عملاً وہ بچھڑا پرستی ترک کر چکے تھے لیکن بچھڑے سے ان کی انسیت اور تعظیم واحترام باقی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب سامری جادوگر نے بچھڑا بنایا تو اسے دیکھتے ہی سارے بنی اسرائیل سجدہ ریز ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے بچھڑے کی محبت کو مکمل طور پر نکالنے اور اس